ابن الانور **انظر شاہ** استاذ تفسیر و حدیث
بیت الحکمت دیوبند

برادرم محترم جناب مولانا عبدالغنی صاحب

تحیہ مسنونہ

میں سفر میں تھا کہ آپکا گرامی نامہ پہونچا واپسی پر شرف مطالعہ
نصیب ہوا، آپ نے بھی کمال کر دیا۔ حسن ظن کی بھی ایک حد
ہوتی ہے اور پھر مجھ ایسے بے بضاعت و کوتاہ قلم سے حضرت علامہ
افغانی علیہ الرحمتہ کے تفسیری افادات پر " تحتہ الکتاب " لکھنے کی
فرمائش ایک زنگی کو رومی قرار دینے کے مترادف ہے، بھلا خاک
نشین ان شخصیتوں سے متعلق کیا لکھے جو آسمان علم پر مہر نیم روز
بنکر چمکے اور جن کی رحلت اپنے پیچھے تاریکیاں چھوڑ گئی تاہم گوناگوں
جن روابط کا آپ نے ذکر فرمایا انکا تقاضہ تھا کہ تعمیل ارشاد کر دوں
بھاگم بھاگ چند صفحات سیاہ کر دیئے اگر آپکی "جناب علم و کمال"
میں کسی حد تک قابل قبول ٹھرے تو میری سعادت ہو گی ناپسندیدہ
ہونے کی صورت میں لاہور جامعہ اشرفیہ میں مولانا اکرم صاحب

کشمیری مدیر "الحسن" کو بھیج دیجئے کہ وہ ایک کم سواد کی ٹوٹی پھوٹی
تحریروں کو بھی چھاپ دیتے ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کی بہاولپور دو
بار جانا ہوا لیکن آپکی زیارت سے محرومی رہی، حرماں نصیب تو ہمیشہ
ہی رہا ھوں ایک صاحب جانے والے مل گئے ان ہی کو پوسٹ
کرنے کے لئے دے رہا ہوں خدا کرے کہ آپکو مل جانے وصول یابی
کی اطلاع ضرور دیجئے تاکہ تردد دور ہو۔

السلام علیکم و علی من لدیکم

والسلام علیکم و علی من لدیکم

[illegible]

مُقدّمہ

حضرت علّامہ سیّد محمّد انظر شاہ صاحب کشمیری مُدظلّہُم (دیوبند)

مشہور ہے "کلام الملوک، ملوک الکلام" کہ بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے بشرطیکہ بادشاہ اکبر بادشاہ نہ ہو جسکی علم و فن سے ناواقفیت شہرہ آفاق ہے اگرچہ مجلس علماء میں نشست و برخاست سے اس نے بڑی حد تک کم سوادی کی تلافی کرلی تھی تاہم جہالت اسے کن کن تاریک گوشوں میں دھکیلتی رہی اور کیسی کیسی اندھی گلیوں میں وہ داخل ہوا جہاں سے نکلنے کیلئے نہ کوئی راستہ تھا نہ گلی، رود کوثر نامی تصنیف میں اگرچہ اکبر کے دامن پر موجود بہت سے دھبوں کو دھونیکی کوشش کیگئی ہے تاہم فکرو نظر و دلائل واستدلال کی راہ سے ہٹ کر حقائق کو معلوم کرنیکا ایک ذریعہ صحیح کشف و وجدان بھی ہے اگرچہ اسکو نہ ماننے والے عجمی تصوف کی ایک شاخ قرار دیکر ردوقدح کے ہتھیاروں سے مسلح کھڑے دکھائی دینگے تو آپ انکار و تردید کی اس تیرہ و تار فضا کو فراست مؤمن کا عنوان دیجئیے جسکا اعلان و اظہار خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، چنانچہ عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نقشبندیؒ

جو دار العلوم کے دار الافتاء کے سر براہ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد
عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر بزرگوار تھے، اپنے وقت میں
نقشبندیت کے امام، جنکی معرفت آگہی کی ایک دلیل یہ بھی ہے
کہ خانقاہ سراجیہ کندیاں کے اب سے پہلے معلم شاہراہِ طریقت و
استاذ راہ معرفت حضرت مولانا عبداللہ صاحب مرحوم انہیں مفتی
صاحب سے بیعت تھے مفتی صاحب مرحوم کی فراستِ ایمانی پر
اکابر دیوبند کا عام اتفاق تھا، جس میں خود جبل العلم علامہ کشمیری
علیہ الرحمۃ بھی ہیں یہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار اکبر بادشاہ
کے مقبرہ پر پہونچے اور ایک سیکنڈ کے توقف کے بغیر یہ کہتے
ہوئے واپس ہوئے کہ "ظلمت ہی ظلمت ہے" رود کوثر کے مصنف
کو فراستِ ایمانی کا یہ فیصلہ شائد مطمئن نہ کرسکے لیکن معلوم ہے کہ
یہ تیز رفتار کائنات ابھی ایسے قلوب و دماغ سے خالی نہیں ہوئی جنکے
لیئے مفتی صاحب کا یہ ارشاد دلیل قوی اور برہانِ قاطع ہے اور تعجب
کیوں ہے جو اسلام کے اجالے کو کفر کی اندھیری سے مغلوب کر رہا
تھا اور اسی گیتی میں نور کے بجائے ظلمت کیجانب لپک رہا تھا اگر برزخ و
آخرت میں اسکے حصہ میں ظلمت ہی لگادی گئی تو داورِ حقیقی کا
انصاف تو اسی کا متقاضی ہے قال لم حشرتنی اعمی الخ

ہاں بادشاہ محی الدین اورنگزیب عالمگیر انار اللہ برہانہ جیسا ہو
جنکا ظاہر و باطن علم و عرفان کی جلوہ گاہ تھا دل نورِ ایمان سے منور اور

دماغ علوم شریعت کا مخزن ایسے بادشاہوں کا کلام واقعتاً کلاموں کا بادشاہ ہے پھر اس مقولہ کو آپ شہنشاہیت کے دائرہ میں کیوں محدود رکھنا چاہتے ہیں، سلطنت علم کے بھی تاجدار گزرے ہیں جنہوں نے تختِ علم وہنر پر بیٹھکر علم کی فرمانروائی کی ہے اور چونکہ اس گوشہ میں چھوٹے بڑے ممتاز و مشہور علم کی پہاڑیاں؛ علوم کے جبال گزرے ہیں تو وہ بھی اپنے اپنے علم کیمطابق کوئی راجہ کوئی مہاراجہ تو کوئی نواب تو کوئی بادشاہ کی حیثیت سے علم و آگہی کی تاریخ میں اپنا روشن نام جلی و اجلیٰ القاب کے ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ کا کلام اپنے شایان شان ہے، ابن دقیق العید رحمتہ اللہ علیہ کی گفتار انکے بلند مقام کے حسب حال ہے۔ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ اپنے مقام سے بولتے ہیں۔اور بدر عینی رحمتہ اللہ علیہ اپنے منصب سے،۔ ذرا آگے بڑھئیے چاروں آئمہ کی ژرف نگاہی بتاتی ہے کہ کوئی خسرو علم ہے تو کوئی خاقانِ فنون، یہ فرق مراتب ہرجگہ نظر آئیگا اور اسی فیتہ سے ناپ کر شخصیتوں کے بارےمیں شاہ وشہنشاہ کا فرق کیا جائے گا، بہرحال قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام ہے اہل ایمان تو اس پر یقین و ایقان رکھتے ہیں۔ کہنا تو یہ ہے کہ

جنہوں نے نزول قرآن کے دور میں آپ پر نازل وحی کا انکار کرتے ہوئے نبوت و رسالت کے انکار کی راہ ہموار کی تھی زبانیں تو انکی جو چاہے کہہ رہی تھیں مگر وہ تاثرات جو جستہ جستہ مخالف حلقہ کے نقل ہو کر ہم تک پہونچے ان سے واضح ہے کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کا یقین ان کے بھی رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا پھر عصر حاضر میں جو طبقہ عربی بلاغت و فصاحت پر واقف کارانہ نظر رکھتا ہے وہ بھی قرآن حکیم کے اسلوب اور بدیع انداز کو دیکھ کر اسے آسمانی والہامی صحیفہ تسلیم کرنے پر خود کو مجبور پا رہا ہے قرآن کریم کی اثر آفرینیوں کے حیرت انگیز مدہوش واقعات تاریخ میں موجود ہیں، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی کو لے لیجیئے، انکی جلالت و جلادت کے مسلسل واقعات جو ہم تک پہونچے ان کے پیشِ نظر کیا کوئی مرعوب کن شخصیت کوئی شمشیر برہنہ۔کوئی نیزہ یا برچھی عمر رضی اللہ عنہ کو متاثر کر سکتی تھی؟ یہ قرآن ہی تھا جس نے ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے قلبی عالم میں انقلاب برپا کر کے قالب کو منکر کے بجائے مُقر، مشرک کے بجائے موحد بنا ڈالا، اور جس دل و دماغ میں محمد بن عبداللہ البطحائی کو مٹانے کا منصوبہ پک رہا تھا قرآن ہی نے

اس دل و دماغ کو نفرتوں کے بجائے محبتوں، عداوت کے بجائے الفت اور جاں نثاری و فدائیت کی ادائیں سکھائیں اور خدا جانے یہ قرآن کتنی زندگیوں میں انقلاب برپا کرچکا اور کتنے وہ نہاخانہ باطن ہیں جو کفر کی تاریکیوں سے اٹے ہوئے تھے دیکھتے ہی دیکھتے نورِ ایمان سے بیت المعمور ہوگئے، یہ بات تو ضمناً قلم پر آگئی عرض یہ کررہا تھا کہ جب یہ احکم الحکمین کا کلام ہے جو شئونِ مختلفہ کا مرکز اور جسکی شان۔ کل یوم ھو فی شان۔ ہے اگر وہ اپنی شان کیمطابق کلام کرتا تو کیا وہ کسی کی گرفت میں آتا الم۔ حم۔ عسق۔ کھیعص۔ ان مقطعات کو کوئی رازی، کوئی زمخشری، زمخشری کوئی سیوطی، کوئی ابوحیان حل کرسکا؟ مجھے ایک واقعہ بار بار یاد آتا ہے یہ میرے استاذ مولانا قاری اصغر علی صاحب مرحوم جو حضرت علامہ کشمیری کے شاگرد تھے اور بعد میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمتہ اللہ علیہ کے معتمد، کا سنایا ہوا ہے، جس سال وہ دورہ حدیث میں تھے ریاست رامپور کے ایک حاذق عالم جو ابن تیمیہ کے غالی معتقد تھے انکی سیاسی دلچسپیاں ریاست برداشت نہ کرسکی اور جلاوطن کردیئے گئے چند سال عرب ممالک میں گزارنیکے بعد ہندوستان آئے اور پھرتے

پھراتے دارالعلوم دیوبند پہونچ گئے، اتفاقاً درسِ بخاری شریف میں شرکت کی خود امام کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مداحین میں تھے، چنانچہ فرماتے کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رفعتِ علم کو دیکھنے کیلئے سر اٹھاتا ہوں تو ٹوپی گر جاتی ہے رفعت علم نظر نہیں آتی یہ بھی ارشاد ہے کہ شریعت مصطفوی آئینہ کی طرح ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں ہے تاہم ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی خامیوں پر بھی نظر تھی فرمایا کہ "عربیت میں کچے ہیں منطق میں غیر حاذق ہیں حدتِ مزاج کی بناء پر اپنی ہی گنتے ہیں دوسروں کی نہیں سنتے" سوء اتفاق جس دن یہ رامپوری عالم درسِ بخاری میں پہنچے کشمیری الامام رحمۃ اللہ علیہ "استواء علی العرش" کے مسئلہ پر ابن تیمیہ و ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات پر شدید احتساب کر رہے تھے رامپوری عالم ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت میں غلو رکھتے تھے یہ نقد و جرح ان کے لئے وجہ اشتعال بن گیا دفاع میں سرگرم ہوگئے، ادھر سے جواب، جواب الجواب، مزید مستزاد بحث تین دن پر جا پہونچی، تیسرے دن کشمیری الامام رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ ابن تیمیہ کے اصول استنباط کیا ہیں؟ وہ

سات ہی بتا سکے، علامہ کشمیری نے دس کا اور اضافہ کر کے ہر اصل و قاعدہ کا اضمحلال نمایاں کیا، استاذِ مرحوم فرماتے کہ تیسرے دن جب حضرت شاہصاحب کا علم و فن آبشار کی طرح بہہ رہا تھا تو رامپوری عالم اپنی نشست سے اٹھے اور صفِ تلامذہ کو چیرتے ہوئے حضرت علامہ رحمتہ اللہ علیہ کے روبرو ہو گئے اور بولے "خدارا کچھ کلام اتر کر کیجئے میں ہی آپ کی بات نہیں سمجھ رہا ہوں یہ طلبہ تو کیا خاک سمجھیں گے" سیدنا الامام رحمتہ اللہ علیہ نے مسکرا کر فرمایا "مولوی صاحب! بہت اتر کر کلام کرتا ہوں کون کہاں تک اترے"۔ اس واقعہ کی روشنی میں فیصلہ چنداں دشوار نہیں کہ خدا تعالی اگر اپنی شان کیمطابق کلام کرتا تو عام و خاص تو درکنار امت کے چیدہ چیدہ رجالِ کار بھی ایک حرف کی بھی گرہ کشائی پر قادر نہ ہوتے یہ تو اس کا فضل و رحمت ہے کہ مخاطبین کی سطح سے قریب ہو کر کلام فرمایا ایسا نہ ہوتا تو پورا قرآن ہی مقطعات بن جاتا۔

راقم الحروف تو یہ سمجھتا ہے بلکہ یہی صحیح ہے کہ قرآن فہمی کا جس حد تک دروازہ کھلا یہ اسی وقت ہے جبکہ بلند شان والے نے مخاطبین کی رعایت سے نازل ہو کر کلام فرمایا ولقد یسرنا القرآن "

یسّرنا پر ذرا غور کیجئے اور اسکی گہرائی و گیرائی میں اترنے کی کوشش کیجئے کہ کرنے والے نے آسان کیا ہے بذاتِ خود آسان نہیں ویسے بھی محقق مفسرین نے لکھا ہے کہ تسہیل و تیسیر صرف ذکر کی حد تک ہے یعنی قرآن کے مضامین سے نصیحت کا اخذ و اقتباس آسان ہے۔

اعجازِ قرآن ہی کے مسئلہ کو لیجئے کم از کم مسلمانوں کا تو یہی عقیدہ ہے اور ہونا بھی چاہئے کہ قرآن معجزہ ہے لیکن اسکا اعجاز کس اعتبار سے ہے، آیا لفظی درو بست، ان منتخب الفاظ سے معانی کا آبشار، قرآن کا بدیع اسلوب، قرآن کی تاثیر واثر آفرینی، اسکا ایجاز واختصار اسکی اخبارات بالغیب، ماضی میں پیش آمدہ واقعات کی حکایت، اعجاز قرآن کو متعین کرنے کے لئے مباحث کا ایک انبار ہے اور اس اعتراف کے باوجود کہ

لم یدرا اعجاز القرآن الا الا عرجان احد هما من زمخشرو ثانیهما من جرجان

یعنی زمخشریؒ صاحب کشاف اور عبد القاہرؒ گورگانی مؤلف دلائل الاعجاز واسرار البلاغہ تاہم یہ دونوں اعجازِ قرآن کے مبحث میں اساسی شخصیت ہونیکے باوجود جب اعجاز قرآن کے مرکزی نقطہ کو متعین نہ

کر سکے تو بلاغت کے میدان کے ایک شہسوار نے گھبرا کر کہدیا کہ یہ بھی اعجاز قرآن ہے کہ آجتک اسکا اعجاز متعین نہ ہو سکا امام کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اسی مشہور مقولہ کی حکایت فرماتے ہوئے نعرہ زن ہوئے وانا ثالثہما واٰنا من ھندوستان" بخاری کتاب التفسیر میں انکا اعلان متعلقہ اعجازِ قرآن عروج پر پہونچکر قرآن کے اعجاز سے نقاب کشائی کرتا مگر بات وہی ہے، کہ قرآن کی معجز بیانی ابتک واضح نہ ہو سکی۔

"ربط" کا مسئلہ لیجئے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئیں زمخشری، رازی وغیرہ، روابط کے بیان میں اہتمام سے کام لیتے ہیں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے سبق الغایات نامی تالیف تیار کی مگر یہ مسئلہ بھی الجھ کر رہ گیا اور دو نقطہ نظر سامنے آ گئے (۱) قرآن مربوط نہیں۔ (۲) قرآن مربوط ہے، چھوٹا منہ بڑی بات، چالیس سالہ مدتِ تدریس میں کم از کم تیس سال توخاکسار کے ایسے گزرے کہ بلاواسطہ قرآن و قرآنیات درس کا اہم موضوع رہا اور آخری یہ دہائی بالواسطہ قرآن ہی سے متعلق درس و تدریس میں گزر رہی ہے میری مہمل کاوشوں کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مربوط ہے

زعم باطل نہیں تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ قرآن کو
ابتداء سے انتہا تک آغاز سے تا انجام مربوط دکھا سکتا ہوں مگر یہ
لاینحل اسوجہ سے ہو جاتا ہے کہ مثلاً مبتدا کیساتھ فوراً خبر کی تلاش میں
سرگرمی دکھائی جاتی ہے حالانکہ قرآن کا اپنا مستقل اسلوب ہے وہ
امام ہے مقتدی نہیں، اپنا اسلوب خود لیکر آیا ہے نزولی عہد کے
مروج اسالیب کی کلیتہً ہمنوائی نہیں کرتا اسے یوں سمجھیئے کہ سورہ
بقرہ کے اوائل میں موضوع "بحث الکتاب" ہے اجمالی دعوی ذالک
الکتاب لاریب فیہ۔ ہے ذیلاً "الغیب" کا ذکر آگیا تو اسکی اہمیت
بتائی گئی کہ وہ ایمان کا ایک شعبہ ہے تقسیم در تقسیم کے طور پر
الغیب پر ایمان رکھنے والے، عالم غیب سے جاری احکام پر عمل
کرنے والے الذین یقیمون الصلوۃ الخ منکرین غیب الذین کفروا الخ
ادھر میں لٹکے ہوئے یعنی منافقین ان سے فارغ ہو کر پھر وہی مسئلہ
"الکتاب" کا وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا الخ دیکھا معنوی
مبتدا کی خبر کہاں نکلی، سورہ آل عمران کے اوائل میں پھر الکتاب
زیر بحث ہے الم اللہ لاالہ الاھو الحی القیوم الخ یہاں اگرچہ ایک خاص
پس منظر کے تحت یعنی وفد نجران کی آمد،۔ الوہیت عیسی و عبدیت

عیسیٰ کی بحثیں کلمہ القھا الی مریم کی آڑ لیکر فکر کی کجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو کچھ کہا جارہا تھا اسی کی تردید میں "الکتاب" کو ہر دو حصوں یعنی متشابہات و محکمات میں تقسیم کیا گیا۔ اور خاص طور پر تورات کا ذکر آیا کہ اسکے مندرجات سے مہمل دعاوی کی عمارت کھڑی کیجاری تھی تو اس مشاغبہ میں "الفرقان" نے حق و باطل، صحیح و غلط کے مابین، حد فاصل کھڑی کر دی کہ یہ سب کچھ ہے تاہم مضمون وہی "الکتاب" کا سامنے ہے۔

دوسری مثال لیجئے: سبحن اللہ و الحمد للہ ہم قرین پاکیزہ کلمات ہیں اب ذرا دیکھئے "سورۃ اسراء" کا آغاز سبحان سے ہے ارشاد ہے سبحن الذی اسری بعبدہ الخ ابتداء میں اس اسم کا انتخاب اسلئے ہے کہ مختصر وقفہ میں معراج کا طول وطویل سفر خدا تعالیٰ کی بے پناہ قدرتوں سے باہر نہ سمجھا جائے ضعف و کمزوری عیب ہے جس سے وہ قادر و مقتدر پاک و بری ہے۔ اب غور کیجئے اس لفظ کے انتخاب اور موقعہ کی برجستہ مناسبت پر سورۃ کہف کا آغاز جو سورۃ اسراء سے متصل ہے الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب سے ہے النبی الاجل کے شایان شان یہ تھا کہ آپکو اوپر اٹھا کر سب کچھ دکھایا

بانے جسکا تذکرہ اسراء میں گزرا، دنیا سے تعلق رکھنے والوں کے حسب حال یہ ہے کہ کم از کم عجائبات سنا دیئے جائیں، یہی وجہ ہے کہ الکھف میں اصحاب کہف کا واقعہ، ذوالقرنین کے حیرت انگیز اذکار، موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کی ملاقات خضر علیہ السلام کے اقدامات، اسکے نتیجہ میں تخریب و تعمیر کا فلسفہ، ہر آبادی کے بعد ویرانی، سروسامانی کے بعد بے سروسامانی دکھا دی گئی سنادی گئی، اور لیجئے "اسراء" کے آخیر میں ہجرت کیلئے اشارتاً و کنایتہً اطلاع دیتے ہوئے اس مہم کو سر کرنے کیلئے اسی سے استعانت کی راہ سوجھائی گئی تھی جو واقعی معین ہے استعانت کا انداز بشکل دعا تعلیم کیا گیا رَبّ ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق "مدخل صدق" سے مراد مدینہ ہے اور "مخرج صدق" سے مراد مکہ معظمہ، اس تعبیر نے اسکو بھی نمایاں کر دیا کہ مدینہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی "مدخل صدق" ہے جب ہی تو ہجرت کے بعد بطور مستقر اسکا انتخاب ہوا اور آپ اگرچہ مکہ کی ترکِ سکونت کر چکے مگر وہ بدستور "مخرج صدق" ہے اگرچہ آپکے وجود باجود کے ہوتے ہوئے اتنا ضرور تھا کہ وہاں منکر ساکنین پر عذاب نہ آئے جیسا کہ ارشاد ہے ما کان اللہ لیعذ بھم

وانت فیھم اور آپکی ہجرت کے بعد عذاب آئے یا آیا، اس سے
مکہ کے "مخرجِ صدق" پر کوئی اثر نہیں پڑتا ایک حدیث میں ہے کہ
دین مکہ سے سانپ کی طرح نکلا گھوم پھر کر بالآخر مدینہ پہونچ جائے گا
الامام کشمیری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "حیرت تھی کہ دین ایسی
پاکیزہ و مصفی چیز کو سانپ جیسے موذی و مہلک جانور سے کیوں
تشبیہ دی؟ پھر علمائے حیوانات کی وضاحت نظر سے گزری کہ
سانپ کا حافظہ بےحد تیز ہوتا ہے اپنی بمبی (بل) سے نکل کر
میلوں ادھر ادھر ہو جاتا ہے پھر اپنی بمبی میں لوٹ آتا ہے"۔ ایک
حدیث میں مکہ معظمہ کا بھی ذکر ہے کہ دین مکہ سے نکلا اور وہیں لوٹ
آئیگا، بات صاف ہے کہ "مخرج صدق" مکہ ہے، جہاں سے دین نکلا
اور "مدخلِ صدق" مدینہ ہے جہاں قرب قیامت میں سمٹکر رہ جائیگا،
یہ گفتگو تو ذیلاً آ گئی بات تو یہ چل رہی تھی کہ سورہ اسراء کے خاتمہ
پر ہجرت کا اشارہ دیدیا گیا تھا سورہ کھف میں مقاصد سفر متعین کر
دیئے گئے کہ حفاظت ایمان کیلئے ہو، جیسا کہ اصحاب کھف نے کیا،
طلب علم کیلئے ہو، جیسا کہ موسٰی علیہ السلام نے کیا، عادلانہ حکمرانی کیلئے
ذوالقرنین کا سفر اسی لئے ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہجرت ان تینوں مقاصد پر حاوی ہے۔ مکہ کی زمین پر جب متاع ایمان کا تحفظ دو بھر کر دیا گیا۔ تو ہجرت تحفظ ایمان ہی کیلئے تھی، مدینہ پہونچتے ہی صُفّہ کی درسگاہ اور طلبہ کا ہجوم اشاعت علم کا ذریعہ بن گیا، آنیوالے تحصیل کر رہے تھے معلم ﷺ فیضان علم کر رہا تھا، یہیں پر فداہ ابی وامی ﷺ نے عادلانہ نظام حکومت قائم کیا جسکی برکات و ثمرات خلافت راشدہ تک پہونچیں، اور یہ بھی تو دیکھئے کہ آنحضور ﷺ نے سفر معراج کیا جو روحی تھا قرآن کی مسافت اوپر سے نیچے ہے جو نزول ہے اور لیجئے ابتداء سورہ کہف میں ارشاد ہے انا جعلنا ما علی الارض زینۃ الخ تخلیق کائنات سے "لیبلوھم ایھم احسن عملا" یعنی صرف عمل مقصود نہیں بلکہ حسن عمل درکار ہے دوش بدوش یہ بھی ہے وانا لجاعلون ما علی الارض صعیدا جرزاً کہ ہری بھری اور تمہاری اس شاداب دنیا کو چٹیل میدان بنا دیں گے دعوی ہے اور کوئی دعوی بلا دلیل نہیں ہوتا دلیل کے طور پر اس مغرور رئیس کا قصہ سنا دیا گیا جو اپنے باغ کی وسعتوں اور دلفریب مناظر پر مغرور ہو کر کہہ رہا تھا ما اظن ان تبید ھذہ ابداً کہ خزاں اس تک راہ نہیں پا سکتی مگر کیا ہوا سب کچھ برباد فاصبح یقلب کفیہ کفِ افسوس ہی ملتا رہ

گیا، جو یہ منظر دنیا ہی میں دکھا سکتا ہے کیا وہ اسپر قادر نہیں کہ پوری کائنات ہی کو درہم برہم کردے، گویا کہ دعوی مع الدلیل آگیا، پھر یہ بھی بتادیا گیا کہ تخریب و تعمیر کے فلسفہ میں ان گنت حکمتیں ہیں، چنانچہ خضر علیہ السلام نے کشتی توڑ دی تخریب تھی، معصوم بچہ کی زندگی کو خاک آشنا کردیا مظاہرہ تخریب تھا، شکستہ عمارت کو درست کردیا، منظر تعمیر تھا، تو دنیا کو جب بنایا وہ بھی ایک مصلحت تھی اور جب اس خوبصورت و زیبا عمارت کو برابر زمین کیا جائیگا تو وہاں بھی حکمت ہوگی خوب کہا ہے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے

وداع غنچہ میں ہے رازِ آفرینش گل
فنا فنا ہے یا مئے زندگی کی مستی ہے

اور یہ بھی تو ہے کہ نئی تعمیر کیلئے پرانے آثار مٹانا پڑتے ہیں رومی کہتے ہیں،

گفت رومی، ہر بناء کہنہ کہ آباداں کنند
می فدانی اول آں آباد را ویراں کنند

تو جب تک اس دنیا کا موجودہ نقشہ برہم نہیں کیا جائیگا صبح آخرت کیسے نمودار ہوگی؟ یاد رہے کہ اسی سورۃ میں مؤمنِ مسکین کی

جس تنبیہ کا ذکر آیا ہے کہ مغرور رئیس کو اسکے باغ کی سر سبزی اور
شادابی نزہت و نکہت کے انبار پر بجائے کبر و غرور کے، تمام
دولتوں اور نعمتوں کو منعم حقیقی ۔سے وابستہ کرتے ہوئے "ماشاء
اللہ" کا کلمہ کہنے کی تاکید کی، تھی گویا کہ کلمہ کی تاثیر و اثر انگیزیوں پر
اطلاع،۔ پھر دیکھئے اسی سورۃ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو
بھی ولاتقولن لشائ الخ کا انتباہ کیا گیا پس منظر وہی ہے کہ آپ نے
کیے ہوئے سوالات کی جوابدہی کیلئے بطور خود وقت متعین کر دیا تھا
اور "انشاء اللہ" استعمال نہیں کیا تھا یہ تو ملحوظ ہو گا کہ "غداً" سے
صرف کل آیند مراد نہیں آنیوالا لمحہ مراد ہے خواہ وہ فوراً ہی آئے
یا تاخیر سے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اسی سورہ کہف میں ذوالقرنین کی
اس دیوار کا تذکرہ ہے جو یاجوجی ماجوجی غارتگروں سے بچاؤ کیلئے کھڑی
کی گئی،۔ حدیث میں ہے کہ اسے توڑنے کی مسلسل کوششیں ناکام
ہو رہی ہیں، قرب قیامت میں وقت متعین پر وہ یہ کہکر شکست و
وریخت کے کام کو چھوڑ دینگے "کل انشاء اللہ یہ دیوار توڑ دیجائیگی"
اور اس کی برکت سے واقعی وہ ریزہ ریزہ ہو جائیگی، الامام کشمیری
رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ " ان شاء اللہ کی برکات واثرو تاثیر اسوقت

سامنے آئینگی جب اسے کلام کے آخیر میں استعمال کیا جائے" یہ ربط کی وہ کوشش ہے، جو سورہ کہف کو بطور مثال پیش کرتے ہوئے قرآن کے مربوط ہونیکا راقم الحروف یقین رکھتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ اور خود حدیث و آثار صحابہ سے مؤید کہ قیامت آجائیگی لیکن کسی کا یہ دعوی قابل قبول نہ ہوگا کہ قرآن فہمی کے تمام مراحل طے کر لیے گئے،۔ ابھی بہت سے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں جنھیں اتھاہ علم برابر اٹھاتا رہیگا جو کچھ کہا گیا اور کہا جائیگا اگر وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور مسلم عقائد و افکار سے متصادم نہیں تو اسے تفسیر بالرائے کہنے کا کوئی جواز نہیں۔ معلوم ہے کہ تفسیر بالرائے اور اسکی تفسیر و تشریح میں قیل و قال کا زبردست مشاغبہ ہے لیکن سطور بالا میں جو عرض کر چکا ہوں کہ نت نئے مضامین جو قرآن میں پیدا کیے گئے اور پیدا کیے جائیں گے اگر وہ اسلامی معتقدات و مسلمات سے مزاحمت نہیں کرتے تو بقول بغوی رحمۃ اللہ علیہ انھیں تفسیر بالرائے نہیں کہا جا سکتا اور یہی صحیح ہے، علوم کے بحر ذخار خشک ہو جائیں گئے عقولِ انسانی دنگ ہو کر رہ جائیں گی، تفسیر کے انبار لگا دیئے جائینگے، قرآنیات سے متعلق

لائبریریاں کھڑی کر دی جائینگی لیکن قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کا دعوی، ازل سے ابد تک کیے ہوئے باطل مزعومات میں سب سے بڑا ہیچ پوچ دعوی ہو گا، الامام کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے تھے کہ تفسیرِ قرآن کا مطلب اس سے زیادہ نہیں کہ ہر شخص اپنی سطح کے مطابق قرآن کے مرغزار سے لطف اندوز ہو رہا ہے، عامی اپنے انداز میں، خواص اور اخص الخواص اپنے بلند و بالا معیار کیمطابق، یہ بھی فرماتے کہ "کلام یا تو بہت ہی بلند و بالا ہو گا یا ارزل و اسفل، یہ کلام الٰہی کی شان ہے کہ وہ نہ معیار سے فروتر ہوا اور نہ اسکے بلند قامت معیار تک رسائی"۔

سرزمین بہاولپور ماضی میں اسلامی ریاست رہی، ایک ریاست میں نشیب و فراز، تعمیر و تخریب، قدر افزائی، علم نوازی، عروج و زوال، ترقی و تنزل، جو کچھ ہو سکتا ہے چشم فلک نے یہاں سب کچھ دیکھا ہے، مگر اسی زمین پر ایک وہ تاریخی واقعہ پیش آیا جس نے بہاولپور کو تاریخ عالم میں منفرد حیثیت دی، یعنی کفر و ایمان، حق و باطل کی آخری معرکہ آرائی اسی رزم گاہ میں پیش آئی، وہی قادیانیت کا مشہور مقدمہ جسمیں "ختم نبوت" کی حفاظت

کرنیوالوں میں ایک نمایاں شخصیت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ
علیہ کی سامنے آئی، اپنے چند روزہ اس بیان میں جو عدالت میں
قادیانیت کے کفر اور قادیانیوں کو کافر قرار دینے کیلئے دیا جا رہا تھا
قادیانی تزدیر و تلبیس کے تارو پود بکھیر دیئے اور عدالت کو
قادیانیوں کی تکفیر کا فیصلہ کرنے کیلئے پر شکوہ علمی دلائل اور پروقار
براہین سے کفر وایمان کی حقیقت سمجھائی، پاکستان میں ختم نبوت
کے تحفظ کی موجودہ گاڑی جو لائن پر دوڑ رہی ہے اگرچہ وہ یہ فراموش
کر رہی ہے کہ لائین کس نے بچھائی تھی؟ تاہم تاریخ اپنے سینہ
میں اس معمار و مؤسس کی کوششوں و کاوشوں کو محفوظ کر چکی اب اگر
کوئی بھولتا ہے یا بھول جانا چاہتا ہے تو خیال یہی ہے کہ ایک
سراپا اخلاص نے جس سوز و تپش سے یہ منزل طے کی تھی ذوالمنن
اس پر اجر غیر ممنون عطا کرتا ہی رہیگا، پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پہنا
ور دریا میدان کے سینہ پر خود ہی موجزنی کرتا ہے، روانی تھمتی ہے
توفیض بخش موجیں اپنے اثرات چھوڑ جاتی ہیں، چند روزہ ریاست بہاولپور
کے اس قیام میں کشمیری علیہ الرحمۃ نے قادیانیت کے استیصال
کیلئے علم وفن، دین و دانش کے جو گہرے نقوش چھوڑے ہیں خدا

تعالے نے اسکا سلسلہ اسطرح باقی رکھا کہ آپکے ایک نامور اور
بااختصاص شاگرد حضرت مولانا سید شمس الحق افغانی رحمتہ اللہ علیہ المغفور
بھاولپور میں سالہا سال مقیم رہ کر اپنے منفرد، ممتاز استاذ کے علوم
کے ترجمان ثابت ہوئے، حضرت مرحوم سے شعور میں تو تنہائی ملاقات کا
کبھی موقعہ نہیں ملا البتہ اپنی کم سنی میں جب وہ دارالعلوم میں بحیثیت
استاذ تشریف فرما تھے، شرفِ زیارت حاصل کر چکا ہوں، جسم وجثہ،
قدوقامت، خدوخال، صورت وشباہت، ابتک حافظہ میں محفوظ ہے
اور یہ بھی عجیب سانحہ ہے کہ مرحوم کی حیات طیبہ میں پاکستان کے
کئی اسفار ہوئے، لیکن بھاولپور میں قیام کی بناپر لاہور وکراچی کا مسافر
زیارت وملاقات کی سعادتوں سے محروم رہا، تاہم ان کی علم وفن میں
انفرادیت و تام امتیاز کی بتواتر خبریں کانوں میں پڑتی
رہیں۔

مولانا سلطان الحق صاحب القاسمی ناظم کتبخانہ دارالعلوم دیو
بند جو ستر سالہ دارالعلوم کی تاریخ کے امین تھے اور اپنے فہم وذکاء کی
بناء پر اشخاص ورجال کی علمی دسترس پر بھرپور نظر رکھتے بارہا ان سے
سنا کہ حضرت افغانی رحمتہ اللہ علیہ ان عبقری اشخاص میں تھے جنہیں

طلبہ کے بجائے اساتذہ کے استفادہ کیلئے مامور کرنا چاہیئے تھا۔

عم محترم مولانا سیف اللہ شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سابق استاذِ دار العلوم دیو بند نے یہ بھی سنایا کہ جب یہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ طالب علمی کیلئے تشریف لائے تو حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ان بھائی سے فرمایا کہ " یہ طالبعلم علم جفر ورمل خوب جانتا ہے ان سے پڑھ لو کسی وقت کام آئیگا "

مرحوم قلات ریاست میں وزیر علوم و معارف الشرعیہ بھی رہے اور ڈابھیل میں اپنے استاذ کے جانشیں بھی، یہ انتخاب خود اس بات کی علامت ہے کہ دانش و بینش میں یہ فاضل روز گار فخرِ روز گار سمجھا جاتا، انہیں کے دروسِ قرآن کو برادر محترم مولانا عبدالغنی (صاحب) بہاولپور میں ترتیب دے رہے ہیں اگرچہ اس تالیف کی زیارت سے محروم ہوں تاہم مکہ مدینہ زادھما اللہ شرفا کے تقدس و عظمت سے کون مسلمان آگاہ نہیں، خود ان مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی ہو یا نہیں اگر قلب و دماغ کسی کی عظمت سے متاثر ہیں اور دنیا نے اس کی ہمہ جہت شخصیت پر اعتماد کیا ہے تو بن دیکھے بھی قلم اٹھایا جا سکتا ہے۔ ایمان و ایمانیات کا بہت بڑا حصہ تو

غیب ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ حضرت مرحوم کے فیضان علم سے یکسر محرومی رہی ہو، بعض تالیفات جو علم ریز قلم نے تیار کیں، نظر سے گزریں اور ان کے مطالعہ نے دل و دماغ پر منفرد عظمتوں کا بوجھ ڈالا ہے، حیرت اس پر ہے کہ مولانا عبدالغنی صاحب زید کرمہ نے اس بے بضاعت کا افتتاحیہ کیلئے انتخاب کیا، کیا صرف اس لئے کہ حضرت افغانی رحمتہ اللہ علیہ حضرت علامہ کشمیریؒ کے علم کے خوشہ چین تھے اور مجھ حقیر کو الامام کشمیری رحمتہ اللہ علیہ سے ایسی نسبت ہے جو مرحوم کیلئے باعثِ ناز نہیں بلکہ شرمساریوں کا عبرت انگیز باب کھولنے والی ہے، میرا حال تو وہ ہے وہ جامی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اور صحیح

بندہ عشق شدی، ترک نسب کن جامی

کہ اندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

تعمیل ارشاد کے طور پر بھاگتے دوڑتے چند صفحات سیاہ کر دیئے، اس ہیچ افروز تحریر سے "غنی" یقیناً غنی ہے۔ خدا تعالیٰ سے کیا بعید ہے کہ وہ اکابر کی بہترین یادگار اَصاغر کے حسن ظن کو ایک اصغر القوم کیلئے وسیلہ نجات بنا دے اور "الکتاب" سے متعلق

یہ ناقص تاثرات زادراہ ہوں ۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

وانا احقر الافقر محمد انظر شاہ المسعودی

خادم التدریس بدارالعلوم وقف دیوبند

یکم جمادی الاول ۱۴۱۳ء بروز ہفتہ